© rasailojaraid.com

دورِ صحابہ میں شام کی تعلیم گاہیں

تحریر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

انبیاء کی سرزمین "شام" کا نام آتے ہی ہولناک تباہی کے مناظر پردہ ذہن پر گھومنے لگتے ہیں۔شام اس وقت بین الاقوامی طاقتوں کی باہم لڑائیوں میں پِس کر رہ گیا ہے۔ان طاقتوں نے صرف تباہی و بربادی نہیں پھیلائی بلکہ پورے شامی معاشرے کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا ہے۔تباہی ایسی کہ شاید تاریخ میں اس کی نظیر نہ ملتی ہو۔ایک طرف 'مہذب' اور 'تعلیم یافتہ' اقوام کا یہ مکروہ کردار ہے دوسری طرف ذرا دیکھیے کہ آج سے چودہ صدی قبل جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ اور تعلیم یافتہ اصحاب ان علاقوں میں پہنچے تو کس طرح مفتوح اقوام کی تعلیم و تربیت اورتہذیب و پرورش میں دل سوزی کے ساتھ حصہ لیا......جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب کا یہ مقالہ اہلِ ایمان کے اسی کردار کو آشکارا کرتا ہے۔

جس طرح سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا اور روشن ہوتا چلا جاتا ہے، اس کی شعاعیں رزم و بزمِ زندگی کا پیغام لے کر دور و نزدیک کے تمام علاقوں میں پھیل جاتی ہیں، اسی طرح وادئ فاران سے طلوع ہونے والا آفتاب نبوت بھی اپنی حیات آفریں کرنوں کا سیلاب لیے اَقرب فالاقرب کے اصول پر درجہ بدرجہ ملکوں اور قوموں کو زندگی کی نشو و نما بخشتا رہا، روشنی کی ان تابناکیوں نے پہلے اہل مکہ پھر اہل مدینہ کے سینوں کو منور کیا اور ان کو ذہنی و جسمانی آلائشوں سے پاک اور صاف کر کے دنیا کی امامت و پیشوائی کے منصب پر مسند نشین کیا۔

صحابہ کرام کو ذاتِ نبوی کی طرف سے صرف علم و عرفان کی روشنیاں ہی عطا نہیں ہوئی تھیں، بلکہ ان کے سینوں میں وہ تمام بے قراریاں اور شورشیں بھی منتقل ہوگئی تھیں جنہوں نے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے ۲۳ سال تک بے قرار رکھا تھا، وہ تمام دَرد و سوز بھی ان کے قلوب میں سمٹ آیا تھا جس نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر میں ۲۳ سال تک ہل چل مچائے رکھی تھی۔

صحابہ کرام کی بے قرار روح کو اس وقت تک بھلا چین کیسے آسکتا تھا جب تک کہ دنیا سے وحشت و جہالت اور ظلم و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بربریت کے تمام نشانات کا خاتمہ نہ ہوجاتا اور دنیا میں و یکون الدین کلہ، للّٰہ کا پرچم سربلند نہ ہوجاتا، یہی وجہ ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے اگر کسی دور دراز علاقے میں سکونت اختیار کی، یا قوموں اور ملکوں سے جنگوں کے طویل خطرات مول لیے تو اس کی وجہ ان کے ذاتی منافع نہیں بلکہ اشاعت علم وعرفان کے اسی جذبے کی کارفرمائی کا عمل دخل تھا۔ شام کے مختلف شہروں کی تعلیمی سرگرمیوں کا پس منظر بھی یہی جوش وجذبہ سمجھا جاتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

شام (Syria) قدیم رومی حکومت (Romanempirer) کا ایک صوبہ تھا۔ اس کا اطلاق آج کل کے شام، اردن، فلسطین کے علاقوں پر ہوتا تھا۔ رومی حکومت کا سرکاری مذہب عیسائیت (Christianity) تھا، اور عیسائیت کے تمام تر مقاماتِ مقدسہ اسی سرزمین پر واقع تھے، اس لیے یہ علاقہ رومی حکومت کی روح و جان کی حیثیت رکھتا تھا۔ مقاماتِ مقدسہ اس علاقے میں ہونے کی وجہ سے رومی حکومت کی خصوصی توجہ اس علاقے کی طرف ملتفت رہتی تھی، اور اس علاقے میں، شاہی خرچے سے مذہبی تعلیم گاہیں، تعلیمی اسکول وغیرہ کا قیام اور ان پر بطورِ خاص زرِ صرف کرنے کا معاملہ بھی اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ اس لیے یہ علاقہ صرف عیسائیت کے مذہبی مقاماتِ مقدسہ ہی کا امین نہ تھا بلکہ عیسائیت کی سب سے بڑی تبلیغ گاہ اور تعلیم گاہ بھی تھا، اس بناء پر اس علاقے میں کسی بیرونی قوم کے پاؤں اس وقت تک کامیابی سے نہیں جم سکتے تھے جب تک وہ قوم ان سے وسیع تر انداز میں ایک وسیع نظامِ تعلیم نہ رکھتی ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان یقیناً اس معیار پر پورے اترے۔

اس علاقے میں اگرچہ جھڑپوں کی ابتداء زمانہ نبوی سے ہوچکی تھی مگر جس جنگ نے اس علاقے پر مسلمانوں کے قبضے کو مستحکم کیا اور رُومی استعمار کے تابوت پر آخری کیل ٹھونکی وہ جنگِ یرموک ہے جو دورِ فاروقی میں لڑی گئی، جس میں رومی حکومت نے اپنی پوری جنگی قوت جھونک دی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار اور باوقار فتح نصیب فرمائی اور اس علاقے میں ہمیشہ کے لیے اسلامی سیادت قائم ہوگئی۔

اسلامی تعلیم کا آغاز:

اس علاقے میں مادی فتح کی تکمیل بھی دورِ فاروقی میں ہوئی اور انقلابِ روحانی کا آغاز بھی انہی کے عہد مسعود میں ہوا۔ سعد بن اسحٰق محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پانچ افراد ایسے تھے جنہوں نے پورے قرآن کو جمع (حفظ) کرلیا تھا، وہ معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، ابوالدرداء انصاری، ابی بن کعب اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ دورِ فاروقی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(جب شام کا علاقہ فتح ہوا) تو یزید بن ابی سفیان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اہل شام بہت بڑھ گئے ہیں اور ان سے شہر بھرے پڑے ہیں، انہیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی انہیں قرآن سکھائے اور انہیں دین کی سمجھ سکھائے۔ میرا مقصد ان لوگوں سے ہے جو انہیں تعلیم دیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں کو بلایا اور کہا کہ تمہارے (شامی) بھائیوں کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے کہ تم انہیں قرآن سکھاؤ اور دین کی سمجھ بوجھ کی تعلیم دو۔ اللہ تم پر رحم کرے، تم اس سلسلے میں میری مدد کرو۔ کم از کم تم میں سے تین آدمی ضرور وہاں جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم باہم قرعہ اندازی نہیں کریں گے بلکہ اس کے بغیر ہی ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ابو ایوب انصاریؓ بوڑھے ہیں اور ابی بن کعبؓ بیمار، پس ہم باقی روانگی کے لیے تیار ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو روانگی پر مستعد پایا تو فرمایا کہ تم سب سے پہلے حمص کے شہر میں جانا، وہاں کچھ عرصہ قیام کر کے لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنا جب اس کے اثرات سامنے آنے لگیں تو ایک شخص وہیں ٹھہرے اور دوسرا فلسطین اور تیسرا دمشق کے شہروں کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں تعلیمی سرگرمیوں کو کنٹرول کرے، چنانچہ اس قرارداد کے مطابق پہلے ان تینوں حضرات نے حمص میں قیام کیا، پھر وہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق اور معاذ رضی اللہ عنہ فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے۔ شام کی تعلیمی سرگرمیاں زیادہ تر انہی صحابہ کرامؓ کی عظیم اور لاثانی کوششوں کی رہینِ منت ہیں۔

۱......: عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ:

ان تین صحابہ کرام میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا نام نامی باعتبار افضیلت پیش پیش ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، انصار مدینہ میں باعتبار علم و عمل سبقت اور فوقیت رکھتے ہیں۔ عقبہ اُولیٰ میں بیعت اسلام سے مشرف ہوئے اور عقبہ ثالثہ میں انصار کے قبیلہ قوافل کے نقیب بنائے گئے۔ زمانہ نبوی میں اسلام سے انہیں جو والہانہ لگاؤ تھا اس کا ہر موقع پر اظہار ہوتا رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں انہیں (۱:) فلسطین کے علاقے کا قاضی بنایا گیا (۲) حمص کے علاقے پر امارت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ ان دونوں ذمہ داریوں کو انہوں نے جس انداز میں نبھایا وہ تاریخ اسلام کا سنہرا باب ہیں۔

ان کا شمار فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔ قراءت ان کا خاص فن تھا۔ زمانۂ نبوی میں پورے قرآن مجید کو حفظ کرنے کی سعادت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ اسلام کے پہلے مدرسے، مدرسۂ اصحابِ صفہ، میں وہ بطور مدرس و معلم کے قرآن پڑھاتے تھے۔ اور ان کی درسگاہ سے اہل صفہ کو صرف قراءت ہی نہیں بلکہ کتابت بھی سکھائی جاتی تھی، ان کے اشاعتِ علم کے جذبے کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بعض نادار طالب علموں کو اپنے گھر سے کھانا کھلاتے اور گھر میں ان کی رہائش کا بندوبست فرماتے اور ان کی تعلیمی ضروریات کو بھی پورا فرماتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدینہ منورہ کے باہران کی علمی سرگرمیوں کا مرکز پہلے حمص کا علاقہ اور پھر بیت المقدس کا علاقہ بنا، وہاں اسی شوق و جذبے سے انقلاب روحانی کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف عمل رہے۔

ان کے خصوصی علوم میں ۔۱۔قراءتِ قرآن ۔۲۔فنِ حدیث اور ۳۔علوم قرآنیہ کا نام پیش پیش ہے۔ان سے کل مرویات کی تعداد ۱۸۱ ہے جس میں سے متفق علیہ ۶، صرف بخاری میں ۲ اور صرف مسلم میں ۲ روایات مروی ہیں۔ان سے ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ان کی بارہ گاہ سے چھوٹوں سے لے کر بڑوں تک سبھی نے استفادہ کیا۔چند فیض یافتہ تلامذہ یہ تھے: صحابہ کرامؓ میں سے: انس بن مالکؓ، ۲۔جابر بن عبداللہؓ ۳۔ابوامامہ الباہلیؓ، سلمہؓ بن محبق، ۵۔محمود بن ربیع، ۶۔مقدام بن معدیکرب، ۷۔رفاعہ بن رافع، اوس بن عبداللہ ثقفی، ۹۔شرجیل بن حسنہ......اور تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی، حطان بن عبداللہ رقاشی، ابوالاشعث صنعانی، جبیر ابن نضیر، جناوہ بن ابی امیہ، اسود بن ثعلبہ، عبداللہ بن محیرز، ربیعہ بن ناجد، عطاء بن یسار، عطاء بن ابی یسار، قبیصہ بن ذویب، نافع بن محمود، یعلیٰ بن شداد، ابومسلم خولانی۔

حضرت عبادہ بن الصامت کو حضرت عمر فاروقؓ نے فلسطین کے علاقے پر قاضی بنایا، مذہبی و تعلیمی خدمات بجا لانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو جس طرح ملحوظ رکھا اس کا شاہکار ثبوت یہ واقعہ ہے کہ قضاء کے سلسلے میں ان کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلافات ہوگئے۔امیر معاویہ اس علاقے کے والی (گورنر) تھے اور حضرت عبادۃ ان کے ماتحت تھے مگر حضرت عبادۃ نے اس ماتحتی کا انصاف کے سلسلے میں کوئی خیال نہیں کیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے مگر حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں دوبارہ فلسطین کے علاقے میں بھیجا اور ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے آزاد کردیا۔

۲.......ابوالدرداء الانصاری رضی اللہ عنہ

شام کے علاقہ میں سب سے زیادہ جس ہستی نے اشاعتِ علم کے لیے جاں فشانی کی وہ ہستی نامور صحابی حضرت ابوالدرداء الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ کی ہے، ان کا شمار کبار صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ان کے متعلق صحابہ کرامؓ کا کہنا یہ تھا کہ تبعهم عويمر ابو الدرداء بالعقل حضرت ابوذر غفاری ان کو فرمایا کرتے تھے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ان سے کوئی بڑا عالم نہیں۔مسروقؒ (تابعی) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علوم کو چھ افراد میں مجتمع پایا ایک ان میں سے ابوالدرداء ہیں۔

انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق دمشق کے علاقے کو اپنا مسکن بنایا اور دم واپسیں تک وہیں رہائش پذیر رہ کر خدمت علمی میں مصروف رہے۔دور عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دمشق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا قاضی بنایا۔ دمشق کے علاقہ میں یہ اسلام کے پہلے قاضی تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی تمامتر کوششیں اشاعتِ علم اور تبلیغِ اسلام کے لیے وقف کر ڈالیں۔ ان کی وجہ سے اہل شام کو جو شاندار علمی فوائد نصیب ہوئے وہ نا قابلِ بیان ہیں۔ وہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ طلبہ کو سبق دیتے تھے۔

درس کے وقت طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ آتے جاتے بھی بعض اوقات طلبہ کی کثیر جماعت ان کے جلو میں اس طرح چلتی کہ ان پر کسی مرکبِ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ ان کی درسگاہ باقاعدہ نظامِ اوقات کے مطابق چلتی تھی۔ عام طور سے نماز فجر کے بعد درس وتدریس کا آغاز ہوتا تھا۔ طلبہ مختلف علمی مسائل پوچھتے اور اپنی تشفی پاتے تھے۔ ان کا مدرسہ اگرچہ تمام اسلامی علوم کے لحاظ سے یگانہ روزگار تھا مگر اس کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی بنا پر اُسے ''مدرسہ اعظم'' کا نام دیا جاسکتا ہے وہ قرآن کی لفظی تعلیم (قراءتِ قرآنیہ) ہے۔ ان کے مدرسہ میں باقاعدہ طلبہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی مدرسین طلبہ کی تعلیم پر مامور تھے مگر ان کا مرتبہ 'صدر مدرس' کا سا تھا۔ ان کے درسِ قرآن کا طریقہ یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد طلبہ کو دس دس آدمیوں کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ہر ٹولی یا جماعت پر ایک قاری نگرانی کرتا تھا۔ اور خود حضرت ابوالدرداء مسجد میں ٹہلتے رہتے اور ان کی کارکردگی کا بغور جائزہ لیتے رہتے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن مجید پڑھ لیتا تو اُسے اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے، اور اس طرح طالب علم درجہ بدرجہ ترقی کے منازل طے کرتا رہتا تھا۔ طلبہ کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ ایک دفعہ شمار کیا گیا تو تعداد کا ہندسہ سولہ سو تک پہنچ گیا۔

دار القراء کے ممتاز افراد میں ابن عامر یحصبی، ام الدرداء صغریٰ، خلیفہ بن سعد، راشد بن سعد اور خالد بن سعد کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔ اول الذکر بزرگ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں رئیس اہل مسجد تھے۔ خلیفہ بن سعد شام کے قراء میں صاحب ابی الدرداء کے نام سے شہرت اور عزت رکھتے تھے۔ ام الدرداء، زوجہ ابوالدرداء فن قرأت میں یگانہ روزگار تھیں اور اس فن میں اپنے شوہر کی تلمیذہ تھیں۔ عطیہ بن قیس کلابی نے انہی سے قرأت کا فن سیکھا تھا، شوہر کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کی طرف انہیں نکاح ثانی کی پیش کش ہوئی مگر وہ راضی نہ ہوئیں اور بدستور تعلیمی کوششوں میں مصروف رہیں۔

شاگردوں سے نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ مزاج میں سادگی کا عنصر غالب تھا شام کے علاقے میں بعض مسلمانوں کی بود و باش عجمی طرزِ تمدن سے متاثر ہوگئی تھی مگر اس صحابی کبیر کے نہ انداز بدلے، نہ اَطوار، وہی سادگی، وہی غیر مکلفانہ خصوصیت جو عہد نبوی میں قائم ہوئی تھی آخری دم تک برقرار رہی۔

وہ صرف فن قرأت وتجوید ہی میں یگانہ نہ تھے بلکہ فن تفسیر اور فنِ حدیث میں بھی نہایت اُونچا مقام رکھتے تھے۔ ان سے تفسیری سلسلہ کی بعض نہایت اہم قسم کی روایات مروی ہیں، جو کتبِ احادیث وتفسیر کے اَوراق کی زینت ہیں، حدیث میں بھی ان کا اہم رُتبہ تھا۔ ان سے کل ایک سو انہتر ۱۶۹ اَحادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ، ۳ بخاری، ۸ مسلم میں منفرداً منقول ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلامذہ:

ان کی جلالت و بزرگی اور پھر ان کی محنت و جانفشانی کی وجہ سے ایک کثیر خلق نے ان سے استفادہ کیا، ان میں صحابہ کرامؓ بھی شامل ہیں اور تابعین بھی۔ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) انس بن مالکؓ (۲) عبداللہ بن عمرؓ (۳) عبداللہ بن عباسؓ (۴) فضالہ بن عبیدؓ (۵) ابوامامہؓ (۶) ام الدرداءؓ۔

تابعین میں چند مستفیدین بزرگوں کے نام:

(۱) سعید بن المسیبؒ (۲) جبیر بن نضیرؒ (۳) زید بن وھبؒ (۴) ابوادریس الخولانیؒ (۵) علقمہ بن قیسؒ (۶) قبیصہ بن زویبؒ (۷) بلال بن ابی الدرداءؒ (۸) عطاء بن نیسارؒ (۹) خالد بن معدانؒ (۱۰) عبداللہ بن عامر الیحصبیؒ (۱۱) ابومرہؒ، مولیٰ ام ہانی (۱۲) سوید بن غفلہؒ (۱۳) معدان بن ابی طلحہؒ (۱۴) ابوحبیبہ طائیؒ (۱۵) ابوالسفر ہمدانیؒ (۱۶) ابوسلمہ بن عبد الرحمٰنؒ (۱۷) صفوان بن عبداللہؒ (۱۸) کثیر بن قیسؒ (۱۹) محمد بن سیرینؒ (۲۰) سوید بن ابی وقاصؒ۔ (الذھبی: سیر اعلام النبلاء، ج۲ص۲۴۲ نیز سعید انصاری ج۱ص ۱۹۸، ۱۹۹)

حضرت ابوالدرداءؓ کی پوری زندگی کلام ربانی اور احادیث نبویہ کی تعلیم واشاعت میں بسر ہوئی، جس وقت روح جسد خاکی سے عالم باقی کی طرف کوچ کرنے کے لئے پر تول رہی تھی، اس وقت بھی انکی زبان اہل شہر کے ایک مجمع کے سامنے نماز کی پابندی کی تعلیم وتلقین کرنے میں مصروف تھی۔

شام کی اسلامی تاریخ میں حضرت ابوالدرداءؓ کا اسم گرامی ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا۔ انھوں نے اس دور دراز علاقے میں جو اسلامی تعلیم کا جذبہ پیدا! کیا اور اسے اپنی تعلیم کے ذریعے جو جوش وولولہ عطا کیا وہ ان کی کتاب افتخار کا سنہرا باب ہے۔ حضرت ابوالدرداء کی سیرت علمیہ کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ باوجود ان کے مسلمہ رتبے اور مرتبے کے کبھی انھیں تحصیل علم میں کوئی شرم وندامت محسوس نہ ہوئی، جو بات نہ آئی بلا روک ٹوک پوچھ لی۔ اور اس سلسلے میں دور دراز کے سفر بھی اختیار کئے۔ دور فاروقی میں شامی طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے، اور حضرت ابی بن کعبؓ رئیس القراء کے خدمت میں خود بھی قرآن (باقرأت) پڑھا اور اپنے ساتھ طلبہ کو بھی پڑھوایا اور اسکے بعد دوبارہ شام کے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔ (سیر الصحابہ انصار)

۳......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت معاذ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غایت درجے کی محبت تھی اس کا ان روایات واحادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا ردیف (سواری کے ساتھی) تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس خلوت وتنہائی میں اسرار و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم کی تلقین فرماتے تھے۔

اس محبت وتعلق نے حضرت معاذؓ کو علم وعرفان کا سمندر بے کراں بنادیا تھا۔علمی دنیا میں ان کی اہمیت ووقعت کی ابتداء دور نبوی سے ہی ہوجاتی ہے۔جس کا نقطہ آغاز بنوسلمہ کی مسجد میں ان کی بسلسلہ امام تعیناتی تھی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اگرچہ نہ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور نہ اس محلے سے مگر اس کے باوجود ان کی اس منصب پر تقرری کی وجہ سوائے **احق بالامامۃ اعلمکم او اقرأکم** کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟......اور اسی سلسلہ کی دوسری کڑی یمن کے علاقے پر ان کی گورنری تھی جو ۹ھ میں عمل میں آئی۔روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت معاذ سے (امتحانی قسم کے) سوالات اور پھر حضرت معاذ کے جوابات علم فقہ کی اساس ہیں۔اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم نامہ اہل یمن کی طرف لکھا، اس میں درج تھا: **انی بعثت لکم خیر اھلی**، وداع کا منظر بھی عجیب وغریب تھا۔خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ چل رہے تھے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار تھے، اگرچہ معاذ رضی اللہ عنہ نے نیچے اترنے کی کوشش کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا، اور کتنی دور تک ساتھ چلتے رہے، اور پند ونصائح خصوصی کا سلسلہ جاری رہا، اس کا اختتام ان لفظوں پر ہوا تھا کہ: ''اے معاذ! جب تم دوبارہ مدینہ آؤگے تو اس وقت شاید نہ مل سکوں''۔(سیر الصحابہ)

حضرت معاذ بن جبل یمن کے علاقے پر صرف حکمران ہی نہ تھے بلکہ محکمہ مذہبی کے بھی انچارج تھے۔اس علاقے میں یہ صحابی کبیر عدالت وقضاء کے فیصلے بھی صادر فرماتے اور قرآن وحدیث کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

دور صحابہؓ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے انھیں شام کے علاقے میں بسلسلہ اشاعت علم تعینات کیا گیا۔انھوں نے بموجب ارشاد فاروقی حمص میں اور پھر بیت المقدس میں سکونت اختیار فرمائی، اور علاقے میں علمی وتعلیمی خدمات کو سرانجام دیا، ان کے دل ودماغ میں اشاعت علم وعرفان کا جو بے پناہ جذبہ بھرا ہوا تھا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عین مرض الوفات میں جب زندگی کے صرف چند لمحات باقی تھے، اس وقت بھی صحابی کبیر کی زبان حدیث بیان کرنے میں مشغول تھی، مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ وفات کے وقت حضرت جابر بن عبداللہؓ اور کچھ اور لوگ حضرت معاذ کے پاس حاضر تھے، وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ پردہ اٹھادو میں حدیث بیان کروں گا جس کو میں نے اب تک اس لئے مخفی رکھا تھا کہ لوگ تکیہ کر بیٹھیں گے، پھر وہ پوری روایت بیان فرمائی۔ (ص۱۶۴، احمد بن حنبل: مسند احمد بن حنبل ج۵ ص۳۳۶)

وہ بیک وقت قرآن اور علوم قرآن میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ میں بھی مسلمہ حیثیت کے حامل تھے، فقہ کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ کے لئے روشن رہے گا کیونکہ یمن روانگی کے موقع پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسلم کے سامنے قرآن، حدیث اور قیاس کی جو ترتیب قیاسی طور سے قائم کی تھی وہ نہ صرف یہ کہ بارگاہ نبوت میں مستجاب ہوئی بلکہ فقہ کی بنیاد کے اہم ماخذ کا کام دیتی رہی ہے، ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ان سے روایات کافی بڑی تعداد میں منقول ہونی چاہیئے تھیں، مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ان سے کل مرویات ۱۵۷ ہیں جن میں سے دو احادیث متفق علیہ ہیں، اس کی وجہ ان کی وہ حزم واحتیاط پسندی ہے جو اکابر صحابہؓ میں مشترکہ طور سے پائی جاتی تھی۔

تلامذہ:

ان کے شاگردوں کی تعداد ان کی شان و رتبہ کے اعتبار سے کافی زیادہ ہے، چند راویوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں، صحابہ کرام میں سے (۱) عمر فاروقؓ (۲) ابو موسیٰ اشعریؓ (۳) ابو قتادہ انصاریؓ (۴) ابو امامہ باہلیؓ (۵) جابر بن عبداللہؓ (۶) عبداللہ بن عباسؓ (۷) عبداللہ بن عمرؓ (۸) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۹) انس بن مالکؓ (۱۰) ابو یعلیٰ انصاریؓ...... اور تابعین میں سے (۱) ابن عدیؒ (۲) ابن ابی اوفیٰ اشعریؒ (۳) عبدالرحمٰن بن سمرہؒ (۴) جابر بن انسؒ (۵) ابو ثعلبہ خشنی (۶) جابر بن سمرہ اسوائیؒ (۷) مالک بن یخامرؒ (۸) عبدالرحمٰن بن غنمؒ (۹) ابو مسلم خولانیؒ (۱۰) جبیر بن نضیرؒ (۱۱) مسروقؒ (۱۲) ابو ادریس الخولانیؒ (۱۳) اسلم مولیٰ عمر۔ (سعید انصاری: سیر الصحابہ انصار، ج ۲ ص ۱۷۹ تا ۱۸۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی سکونت اگرچہ فلسطین کے علاقے تک محدود تھی لیکن ان کے مدرسہ کے اثرات دور دراز کے علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے، بارہا دور دراز کے مقامات میں جا کر درس دیا، درس کا طریقہ یہ تھا کہ مجلس میں چند صحابہ کسی مسئلے پر مباحثہ کرتے حضرت معاذ خاموش بیٹھے سنتے رہتے، سب سے آخر میں حضرت معاذ پوری طرح مسئلہ کو واضح کر کے اپنا نقطہ نگاہ واضح فرما دیتے تھے۔ (ص ۱۸۱ مسند احمد بن حنبل ص ۲۳۳)

ابو ادریسؒ ایک مرتبہ دمشق کی جامع مسجد میں گئے دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا ہے لوگ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، جب ان کا آپس میں کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تھا تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے تھے، اور وہ ان کو تسلی بخش جواب دیتا تھا، پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ (مسند ج ۵ ص ۲۳۷)

اسی طرح کی روایت ابو مسلم خولانیؒ بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کی مجلس کا حمص میں مشاہدہ کیا تھا، اور صحابہ کرامؓ جو اس مجلس میں شریک تھے انکی تعداد ۳۲ بتائی ہے۔

وہ صحابہ کرام میں اس پائے کے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات کے بعد فرمایا تھا، کہ اگر آج معاذ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔

بنیادی طور سے تو شام و فلسطین میں اسلامی تعلیم گاہیں یہی تھیں لیکن ایک چھوٹی سی درسگاہ اور بھی تھی جو حضرت عبداللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن انیسؓ کی کوششوں کی رہین منت ہے۔

۴...... حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو دو دفعہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا، انھیں اسلام اور شارع علیہ السلام سے جو غایت درجے کی محبت تھی اسے بیان کرنے کے لئے قلم وقرطاس کی ضرورت نہیں۔ اس الفت ومحبت نے انھیں فضل و شرف کی مسند پر متمکن کیا۔ وہ جلیل القدر صحابی تھے مگر ان سے کل ۲۴ روایات مروی ہیں، اسکی وجہ بھی انکی حزم واحتیاط پسندی ہوسکتی ہے جو تمام اکابر صحابہ میں جاری وساری تھی۔ ان کا فضل اور شرف اس درجہ کا تھا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان سے ایک روایت کے حصول کے لئے ایک مہینے کا سفر طے کر کے غزہ پہونچے اور حدیث حاصل کر کے مراجعت اختیار کی۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے جابر بن عبداللہؓ کے علاوہ (۱) ابوامامہؒ (۲) بسر بن سعیدؒ (۳) عبداللہ بن امیہؒ (۴) عبدالرحمٰن بن کعبؒ (۵) عبداللہ بن کعبؒ (۶) عبداللہ بن عبداللہ بن حبیبؒ (۷) معاذ بن عبداللہ جیسے لوگوں نے احادیث کی تعلیم حاصل کی۔

شام کے علاقے کی اسلامی تاریخ میں اہمیت کا آغاز ۴۰ھ سے ہوتا ہے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے اور دارالحکومت مدینہ سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق کے شہر میں منتقل ہوگیا تھا مگر اس دور میں حضرت عبداللہ بن انیسؓ (م ۵۴ھ) کی چھوٹی درسگاہ کے سوا کسی قابل ذکر صحابیؓ کی درسگاہ کا وجود نہیں ملتا...... درحقیقت اس دور میں وارثت علمیہ صحابہ کرامؓ سے منتقل ہوکر تابعین کی طرف منتقل ہوگئی تھی چنانچہ شام کے مختلف شہروں میں جو مدارس علمیہ وجود میں آئے وہ زیادہ تر مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ کے شاگردوں کا فیض تھے۔ ان جلیل القدر تابعین میں عبدالرحمٰن بن غنم (م ۷۸ھ)، ابو ادریس الخولانیؒ (م ۸۰ھ) قبیصہ بن ذویب (م ۸۶ھ) مکحول بن ابی مسلمؒ (م ۱۱۳) رجاء بن حیوۃؒ (م ۱۱۲) وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کی کوششوں سے یہ علاقہ اسلامی تعلیم کی آماجگاہ بنا، اور یہاں کے ہر ہر گھر میں اسلامی تعلیم کے چراغ روشن ہوئے۔ اور انھوں نے بہت سے دلوں کو منور کیا۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com